AL-AHQAQ **Recognized by HEC in Y-Category**
https://ahqaq.com/index.php/Journal/issue/view/7 ONLINE - ISSN- 3006-595X
Volume.3, Issue.3 (2025) PRINT - ISSN- 3006-5941

نورِ تحقیق میں اقبال فہمی: افکار، تنقید اور تعبیرات

Exploring Iqbal's Thought in the Light of Scholarly Discourse: Ideas, Critique, and Interpretations

Dr. Azeem ullah Jundran
Postdoctoral Fellows Scholar, Islamic Research Institute, International Islamic University Islamabad
Assistant Professor, Superior University Faisal Abad
E-mail: aujundran@gmail.com
Dr. Rukhsana Bibi
Dean / Coordinator Arts and Humanities Government College Women's University Faisalabad
Email: rukhsanabaloch@gcwuf.edu.pk

Abstract

This article critically evaluates the scholarly contributions related to Iqbal Studies published in the HEC-recognized research journal Noor-e-Tahqeeq, a flagship publication of Lahore Garrison University. Through a thematic and qualitative review of selected research papers, the article examines how various scholars have interpreted Allama Iqbal’s thought, poetry, philosophy, and socio-political vision. The analysis reveals a diverse range of perspectives—ranging from discussions on Iqbal’s reconstruction of Islamic theology to his role in the Pakistan Movement and contemporary relevance. While some articles exhibit rigorous referencing and conceptual clarity, others remain limited by a lack of critical engagement and textual substantiation. Nonetheless, the overall contribution of the journal in promoting Iqbal Studies is commendable. This review aims to guide future researchers in deepening their approach to Iqbal's multifaceted legacy through more cohesive, contextual, and critical scholarship.

Keywords

Iqbal Studies, Noor-e-Tahqeeq, Pakistan Movement, Literary Criticism, Contemporary Relevance, Thematic Review

اقبال شناسی اردو ادب کی ایک ایسی فکری و تحقیقی روایت ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ مزید پختہ، متنوع اور بین الاقوامی ہوتی جا رہی ہے۔ بیسویں صدی کے اس مفکر، شاعر اور مصلح نے نہ صرف اردو ادب کو نئی فکری بلندیوں سے آشنا کیا بلکہ اسلامی دنیا کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے اپنے انقلابی افکار پیش کیے۔ ان کی شاعری، فلسفہ، تصورِ خودی، اور اجتہادی فکر نے ادب کے ساتھ ساتھ تعلیم، سیاست، سماج اور تہذیب پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال پر ہونے والی تحقیق، نہ صرف ماضی میں جاری رہی، بلکہ آج بھی اردو تحقیق کا ایک

مرکزی دائرہ بنی ہوئی ہے۔

اسی تناظر میں لاہور گیریژن یونیورسٹی کا تحقیقی مجلہ "نورِ تحقیق" اردو تحقیق کی دنیا میں ایک نئی اور روشن مثال کے طور پر ابھرا ہے۔ لاہور گیریژن یونیورسٹی، جو کہ 2010ء میں قائم ہوئی، مختصر مدت میں علمی و تحقیقی دنیا میں اپنی علیحدہ شناخت قائم کر چکی ہے۔ اس کا شعار "بہترین ماحول میں پاکستان کے مستقبل کی نگہداشت" صرف ایک دعویٰ نہیں، بلکہ اس کی تحقیقی سرگرمیوں کا عملی اظہار ہے۔ نورِ تحقیق اسی ادارے کی جانب سے جاری ایک سہ ماہی مجلہ ہے، جو 2017ء سے مسلسل شائع ہو رہا ہے اور HEC سے منظور شدہ ہے۔

نورِ تحقیق نے اردو ادب کے مختلف شعبہ جات پر اعلیٰ معیار کی تحقیق کو فروغ دیا، جن میں اقبال شناسی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ مجلہ میں اقبال پر شائع ہونے والے مضامین فکری وسعت، تحقیقی پختگی، اور تنقیدی عمق کے عمدہ نمونے ہیں۔ اس مضمون میں ہم جائزہ لیں گے کہ نورِ تحقیق نے اقبال شناسی میں کیا کردار ادا کیا، کن جہات کو اجاگر کیا، اور کس طرح یہ مجلہ اردو تحقیق کے منظرنامے میں نئی راہیں متعین کر رہا ہے۔

اقبال شناسی کا فکری پس منظر

اقبال کو اردو ادب میں ایک شاعر کی حیثیت سے دیکھنا ان کی شخصیت اور فکر کے ساتھ ناانصافی ہو گی۔ وہ نہ صرف بیسویں صدی کے ممتاز شاعر تھے، بلکہ ایک فلسفی، مصلح، مفکرِ اسلام، اور تہذیبی ترجمان بھی تھے۔ ان کی فکر کا مرکز و محور مسلمان فرد کی شناخت، بیداری اور اجتماعی ارتقاء ہے۔ اقبال نے مغربی فلسفے سے استفادہ کرتے ہوئے مشرقی اقدار کو نئے تناظر میں پیش کیا اور خودی، عشق، اجتہاد، ملت، حکمتِ زمانی اور اقوامِ عالم کے باہمی تعلقات جیسے موضوعات کو شعری اور نثری قالب میں ڈھالا۔

اقبال کی شاعری نہ صرف جمالیاتی اقدار سے مزین ہے بلکہ اس میں ایک فکری توانائی بھی پائی جاتی ہے جو قاری کو محض مسرور نہیں کرتی، بلکہ اسے جھنجھوڑ کر بیدار بھی کرتی ہے۔ وہ محض شاعرِ مشرق یا حکیم الامت نہیں، بلکہ ایک فکری تحریک کے محرک اور ترجمان بھی ہیں۔ ان کی شاعری میں وہی پیغام ملتا ہے جو ان کے خطبات اور دیگر تحریریں پیش کرتی ہیں: ایک باوقار، خوددار، متحرک اور اجتہادی مسلمان کا تصور۔ اردو تحقیق میں اقبال شناسی کی روایت نہایت مضبوط اور وسیع ہے۔ قیامِ پاکستان سے قبل ہی اقبال پر تحریر کا آغاز ہو چکا تھا، اور ان کے انتقال کے بعد تو اقبال شناسی باقاعدہ ایک جداگانہ تحقیقی صنف کی صورت اختیار کر گئی۔ خلیفہ عبدالحکیم، سید نذیر نیازی، ڈاکٹر جاوید اقبال، گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر سلیمان ندوی، اور ڈاکٹر عبدالسلام خورشید جیسے محققین نے اقبال کے فکری و ادبی پہلوؤں کو تحقیقی بنیادوں پر اجاگر کیا۔ ان کے بعد آنے والے محققین نے بھی اقبال کے مختلف پہلوؤں — جیسے اقبال اور تعلیم، اقبال اور عورت، اقبال کا تصورِ ملت، اقبال کی قرآنی تفسیر، اقبال اور تصوف، اقبال اور جدیدیت — پر نہایت عمدہ کام کیا ہے۔

جدید تنقیدی نظریات جیسے مابعد جدیدیت، پسِ نوآبادیاتی تنقید، فیمینسٹ تنقید، اور ماحولیات کے تناظر میں بھی اقبال کی فکر کا از سرِ نو مطالعہ کیا جا رہا ہے۔ بین الاقوامی جامعات میں اقبالیات پر نہ صرف تحقیقی مقالے تحریر ہو رہے ہیں بلکہ اقبال کو عالمی فکری روایت کا حصہ تسلیم کیا جا رہا ہے۔ اسی فکری پس منظر میں یہ جانچنا ضروری ہے کہ مجلہ نورِ تحقیق نے اس علمی روایت میں کس حد تک اضافہ کیا ہے، اور اقبال شناسی کو کس زاویے سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اگلے حصے میں ہم اسی نکتے کو واضح کریں گے کہ نورِ تحقیق میں اقبال شناسی کس انداز سے پیش کی گئی ہے، اور

اس کے موضوعات کس فکری تنوع کے حامل ہیں۔

مجلہ نورِ تحقیق میں اقبال شناسی کا جائزہ

اردو زبان و ادب کے تحقیقی منظر نامے میں لاہور گیریژن یونیورسٹی کے مجلے نورِ تحقیق کی حیثیت ایک متحرک اور فعال پلیٹ فارم کی سی ہے، جو سہ ماہی بنیادوں پر باقاعدگی سے شائع ہوتا ہے۔ اس کی مسلسل اشاعت، معیارِ تحقیق، اور متنوع موضوعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس کے مدیران اور مصنفین نے قلیل عرصے میں علمی و ادبی دنیا میں ایک مؤثر مقام حاصل کر لیا ہے۔ نورِ تحقیق کا آغاز 2017ء میں ہوا اور ابتدا ہی سے یہ مجلہ علمی حلقوں میں مثبت پذیرائی حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ اب تک اس کے چونتیس (34) شمارے شائع ہو چکے ہیں، جن میں اردو ادب، اسلامی فکر، تہذیب، تنقید، اور بالخصوص اقبال شناسی جیسے اہم موضوعات پر درجنوں معیاری مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ مجلہ نے چار خصوصی شمارے بھی شائع کیے ہیں جو اس کی فکری وسعت اور تحقیقی جہتوں کی مظہر ہیں:

1. علامہ اقبال خصوصی شمارہ۔ اکتوبر تا دسمبر 2017ء
2. قائد اعظم محمد علی جناح خصوصی شمارہ۔ اکتوبر تا دسمبر 2018ء
3. پاک فوج کے اہل قلم خصوصی شمارہ۔ جولائی تا ستمبر 2019ء
4. میر تقی میر خصوصی شمارہ۔ جولائی تا ستمبر 2021ء

اقبال پر شائع ہونے والے خصوصی شمارے نے نورِ تحقیق کو اقبالیات کے حوالے سے ایک معتبر حوالہ بنا دیا ہے۔ اس شمارے میں اقبال کے فکری، ادبی، اور تمدنی پہلوؤں کو متنوع انداز میں پیش کیا گیا، جن میں اقبال کا تصورِ خودی، اقبال اور اسلامی تہذیب، اجتہاد، عشقِ رسول ﷺ، نوجوانوں سے خطاب، اور اقوامِ عالم کے لیے ان کا پیغام شامل ہیں۔ مجلے کی ادارت میں اہم نام شامل ہیں جیسے سرپرست اعلیٰ وائس چانسلر میجر جنرل محمد خلیل ڈار (ر) ہلالِ امتیاز (ملٹری)، مدیر اعلیٰ پروفیسر ڈاکٹر عارف جاوید (ڈین لینگویجز)، مدیر ڈاکٹر محمد ہارون قادر (ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو)، ڈاکٹر سید تنویر حسین، ڈاکٹر منزہ منور اور وسیم ارشد ادارتی امور اور تحقیقی مشاورت میں کلیدی کردار ادا کر رہے ہیں۔ اس مجلے نے اقبالیات کے تناظر میں جو علمی خدمات سرانجام دی ہیں، ان کا تنقیدی و تجزیاتی جائزہ آئندہ مرحلے میں پیش کیا جائے گا، جہاں چند اہم مضامین کو منتخب کر کے ان کے اسلوب، استدلال، اور تحقیقی افادیت کو پرکھا جائے گا۔

اقبال اور تصورِ جمہوریت

مجلہ نورِ تحقیق کے اقبالیاتی شمارے میں شامل ڈاکٹر گلشن طارق کا مضمون "اقبال اور تصورِ جمہوریت " ایک فکری اور تحقیقی پہلو سے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ سات صفحات پر مشتمل اس مقالے میں مصنفہ نے اقبال کے سیاسی و تہذیبی افکار کا گہرا مطالعہ پیش کیا ہے، جس کی تائید حوالہ جات کی کثرت (11 مآخذ) سے بھی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر گلشن طارق نے اس تحقیقی کاوش میں اقبال کے سیاسی فلسفے، بالخصوص مغربی جمہوریت پر ان کی تنقید، کو اسلامی تناظر میں سمجھنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ مضمون کی تمہید ایک سو اصفحے پر محیط ہے جس میں اقبال کی فکر کا اجمالی تعارف، ان کے خطبات کا ذکر، اور جمہوریت کی تاریخی معنویت کو بیان کیا گیا ہے۔ اقبال کے سات خطبات، جو "تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ " کے

عنوان سے معروف ہیں، نہ صرف اسلامی فکر کی تشکیل نو کی ایک سنجیدہ علمی کوشش ہیں، بلکہ ان میں اقبال نے اجتہاد کو عصرِ حاضر کے مسلمانوں کے لیے نجات کا ذریعہ بھی قرار دیا ہے۔ اقبال نے مغربی جمہوری نظام کا عمیق مشاہدہ کیا اور اس پر تنقید بھی کی، تاہم ان کی تنقید جمہوریت کی نفی نہیں بلکہ اصلاح کی ایک سنجیدہ کوشش تھی۔ ڈاکٹر گلشن طارق نے جمہوریت کے تاریخی پس منظر پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اس ضمن میں لکھتی ہیں:

> ”جمہوریت کا آغاز کہاں سے ہوا اور کیوں کر ہوا؟ اس ضمن میں مغربی مفکرین کا کہنا ہے کہ جمہوریت کو سب سے پہلے یونانیوں نے اپنے ملک میں رائج کیا۔ ان کے ہاں تمام آزاد شہریوں کی رائے سے ریاست کے معاملات کو طے کیا جاتا تھا۔ مگر یہ نظام ملک کے چند شہروں تک محدود تھا۔ اس میں غلاموں کے شہری حقوق نہ تھے۔ پھر یہ نظام زیادہ دیر برقرار نہ رہا۔“(1)

یہ اقتباس نہ صرف مضمون کی فکری بنیاد کو ظاہر کرتا ہے بلکہ اس بات کی دلیل بھی ہے کہ مضمون نگار نے جمہوریت کے تاریخی ارتقاء اور اس پر اقبال کے موقف کو مربوط انداز میں پیش کیا ہے۔ مزید برآں، مقالے میں اقبال کی عملی سیاست سے وابستگی، ان کے مشاہدات، اور ان کا ردعمل خصوصاً برصغیر کے مسلمانوں کے ساتھ روا رکھے گئے سلوک کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔ اقبال نے نہ صرف مغربی جمہوریت کے خدوخال پر تنقید کی، بلکہ ان کے فکر میں اسلامی اصولوں پر مبنی شورائی جمہوریت کا خاکہ بھی نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔ انہوں نے برصغیر میں ہندو اکثریت کے ہاتھوں مسلمانوں کی سیاسی و معاشی پسماندگی کو پوری وضاحت اور اعداد و شمار کی روشنی میں بے نقاب کیا، جس کی طرف ڈاکٹر گلشن طارق نے نہایت سلیقے سے اشارہ کیا ہے۔ یہ مقالہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ نورِ تحقیق نے اقبالیات کے علمی و فکری مباحث میں قابلِ ذکر اضافہ کیا ہے، اور اس میں شائع ہونے والے مضامین اقبال شناسی کے نئے اور مؤثر زاویے سامنے لا رہے ہیں۔

علامہ اقبال کی سیاسی زندگی

مجلہ نورِ تحقیق میں شائع ہونے والا تحقیقی مضمون "علامہ اقبال کی سیاسی زندگی " نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (NUML) اسلام آباد کے شعبۂ اُردو سے وابستہ دو پی ایچ ڈی اسکالرز، قیصر آفتاب احمد اور عائشہ بیگم کی علمی کاوش ہے۔ تیرہ صفحات پر مشتمل یہ مقالہ پندرہ مستند حوالہ جات کے ساتھ نہایت منظم انداز میں اقبال کی سیاسی شخصیت کو متعارف کراتا ہے۔ تحقیق کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ علامہ اقبال کو محض شاعرِ مشرق سمجھنا ان کی فکری اور عملی زندگی کے ساتھ ناانصافی ہے۔ وہ ایک عظیم فلسفی، مصلح، اور سیاسی رہنما بھی تھے جنہوں نے امت مسلمہ کی فکری بیداری، تہذیبی تشکیل، اور نظریاتی احیاء میں فعال کردار ادا کیا۔ مضمون نگاران نے اقبال کی سیاسی زندگی کو ایک تدریجی عمل کے طور پر پیش کیا ہے، جو نہ صرف شاعری اور تحریر کے ذریعے سامنے آیا بلکہ عملی سیاسی جدوجہد میں بھی نمایاں رہا۔

مقالے کا آغاز اقبال کی پیدائش اور برصغیر کے سیاسی پس منظر سے ہوتا ہے۔ دوسرے صفحے پر سیالکوٹ کی تاریخی حیثیت اور اقبال کے خاندانی پس منظر کا ذکر موجود ہے، جب کہ تیسرے صفحے پر اقبال کی ابتدائی تعلیم اور فکری ارتقاء کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اسی صفحے پر اقبال کی نثری تحریروں کا حوالہ دیتے ہوئے مضمون نگار لکھتے ہیں:

> ”علامہ اقبال بنیادی طور پر پیدائشی شاعر تھے تاہم انھوں نے نثر میں بھی لکھا۔ لیکن بہت کم لکھا۔ ان کے زیادہ مقالات و

مضامین انگریزی زبان میں لکھے گئے تھے۔ جن کا بعد ازاں اردو میں بھی ترجمہ کیا گیا۔ ان کا ایک مضمون "قومی زندگی" اردو زبان میں لکھا گیا جو شیخ عبد القادر کے ادبی مجلے "مخزن" میں اکتوبر 1904 کے دو شماروں میں شائع ہوا۔"(2)

یہ اقتباس نہ صرف اقبال کی فکری ہمہ گیریت کو ظاہر کرتا ہے بلکہ ان کی سیاسی فکر کے اردو ادب میں ابتدائی اظہارات کی نشان دہی بھی کرتا ہے۔ چوتھے اور پانچویں صفحات میں اقبال کی عملی سیاست میں شمولیت، بیرسٹری کی تعلیم، اور سیاسی جماعتوں سے وابستگی جیسے پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ بعد ازاں مقالے کا نمایاں حصہ چار مرکزی موضوعات کے گرد گھومتا ہے:

1. پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے انتخابات اور جلسے
2. 1927ء کے فسادات لاہور
3. اقبال اور نظریۂ پاکستان
4. خطبۂ الٰہ آباد کی تفہیم و تنقید

ان موضوعات پر تحقیق اگرچہ جامع نہیں، تاہم مختصر انداز میں اقبال کی سیاسی بصیرت، اجتہادی قوت، اور مسلم امہ کے لیے ان کے نظریاتی راستے کو اجاگر کرتی ہے۔ مقالہ نگاروں نے اقبال کے فکری، سیاسی اور تہذیبی کردار کو واضح کیا، تاہم یہ کمی محسوس ہوتی ہے کہ انہوں نے اقبال کی شاعری کو حوالہ بناتے ہوئے کسی بھی شعر کا نمونہ پیش نہیں کیا، حالانکہ اقبال کی سیاسی جدوجہد کا بڑا حصہ ان کی شاعری سے مربوط ہے۔ اس کے باوجود یہ مقالہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں اقبال کی سیاسی زندگی کے مختلف ادوار کا ایک منظم خاکہ پیش کیا گیا ہے، اور اُن عناصر کو اجاگر کیا گیا ہے جو برصغیر کے مسلمانوں کی فکری اور سیاسی بیداری کا محرک بنے۔ یہ مضمون اس بات کا شاہد ہے کہ نورِ تحقیق صرف ادبی تخلیقات تک محدود نہیں، بلکہ علمی تحقیق کو تاریخ، سیاست، اور نظریاتی شعور کی بنیادوں تک وسعت دیتا ہے۔ مضمون نگاروں کی کوشش قابلِ ستائش ہے، اور اس میں اقبالیات کے ایک اہم مگر کم زیرِ بحث پہلو—اقبال کی عملی سیاست—کو متعارف کرایا گیا ہے۔

تحریک پاکستان سے قیام پاکستان تک کا سفر

نورِ تحقیق میں شامل مضمون "تحریک پاکستان سے قیام پاکستان تک کا سفر "لاہور گیریژن یونیورسٹی کی پی ایچ ڈی اسکالر شازیہ پروین کی تحریر ہے، جو اگرچہ محض تین صفحات پر مشتمل ہے، تاہم اس میں مضمون نگار نے تحریک پاکستان کی فکری بنیادوں اور قائداعظم و علامہ اقبال کی فکری مماثلت کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ مضمون میں حوالہ جات کی تعداد پانچ ہے اور اسلوب اختصاری مگر مربوط نوعیت کا ہے۔ مضمون کی ابتدا تحریک پاکستان کی ضرورت، پس منظر اور اغراض و مقاصد کے بیان سے ہوتی ہے، جس میں مصنفہ نے اس سوال پر غور کیا ہے کہ برصغیر میں مسلمانوں کو علیحدہ ریاست کے قیام کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ اس ضمن میں مضمون میں بیان کردہ مقاصد میں اسلامی ریاست کا قیام، مسلمانوں کی سیاسی و معاشی آزادی، اسلامی جمہوری اقدار کا تحفظ، اردو زبان کی ترویج، اور مسلم تہذیب و ثقافت کی بقا کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ مصنفہ نے لکھا ہے کہ تحریک کا آغاز اگرچہ رسمی طور پر 23 مارچ 1940 کے جلسے سے منسلک کیا جاتا ہے، تاہم اس کی اصل روح اسی وقت متحرک ہو چکی تھی جب مسلمانانِ ہند نے کانگریسی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی۔ مضمون کے مرکزی حصے میں قائداعظم محمد علی جناح اور علامہ

اقبال کی فکری ہم آہنگی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ مضمون نگار کا دعویٰ ہے کہ ان دونوں شخصیات کے درمیان نظریاتی اشتراک نے تحریک پاکستان کو نظریاتی بنیاد فراہم کی۔ اس نکتے پر زور دیتے ہوئے وہ لکھتی ہیں:

> "حضرت علامہ اقبال اور قائداعظم کے درمیان ذہنی مطابقت مسلم لیگ کی بدولت بڑے عرصے سے قائم تھی۔ اگرچہ کچھ اختلافات سائمن کمیشن اور جداگانہ طرزِ انتخاب کے سلسلے میں ضرور ہوئے لیکن یہ وقتی سیاسی رنجش تھی۔ ان کی ذہنی اور فکری مطابقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ دونوں کا محور و مرکز دو قومی نظریہ تھا۔ قائداعظم کو علامہ اقبال کی اس منفرد اور جداگانہ سوچ کا پہلے ہی سے علم تھا کہ ہندوستان کے معروضی حالات کے پیشِ نظر فیصلہ کیا کہ دونوں قوموں میں علیحدگی کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔(3)

یہ اقتباس نہ صرف مضمون کی علمی سمت کو واضح کرتا ہے بلکہ تحریک پاکستان کے فکری خدوخال کو علامہ اقبال کی بصیرت اور قائداعظم کی قیادت کے امتزاج میں دکھانے کی کامیاب کوشش ہے۔ تاہم مضمون کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ کہنا بجا ہوگا کہ موضوع کی وسعت کے مقابلے میں اس کی علمی پیشکش خاصی محدود رہی ہے۔ مضمون کے باقی صفحات میں قائداعظم کے چند خطابات کے حوالے سے اقبال سے ان کی عقیدت کو نمایاں کیا گیا ہے، مگر تحریک پاکستان کے تاریخی، سماجی یا نظریاتی مراحل کی تفصیل یا تجزیہ موجود نہیں۔ اسی طرح اقبال کی شاعری، جو تحریک کے فکری تانے بانے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، اس کا کوئی حوالہ یا شعری استناد اس مقالے میں شامل نہیں کیا گیا۔ نتیجتاً، موضوع کی معنویت کمزور ہو جاتی ہے۔

اگرچہ مضمون میں قائداعظم اور اقبال کے درمیان فکری مطابقت کو اجاگر کرنے کی سنجیدہ کوشش کی گئی ہے، تاہم تحقیقی جامعیت اور تنقیدی گہرائی کا فقدان محسوس ہوتا ہے۔ اس کے باوجود یہ مقالہ نورِ تحقیق کی اس فکری روایت میں شامل ہو کر اقبال شناسی اور تحریک پاکستان کے مابین ربط کو ظاہر کرنے کی ایک سنجیدہ کوشش ضرور ہے۔

اقبال کا خطبۂ اول "علم اور مذہبی تجربہ"

ڈاکٹر محمد خرم یاسین کا تحقیقی مضمون "اقبال کا خطبۂ اول 'علم اور مذہبی تجربہ' شروح کے آئینے میں"، اقبالیات کے ان دقیق اور کم فہم پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے جو زیادہ تر قارئین کی رسائی سے باہر رہے ہیں۔ بیس صفحات اور بیس حوالہ جات پر مشتمل اس مضمون میں مصنف نے اقبال کے اولین خطبے کو مختلف شارحین کی تشریحات کے آئینے میں پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ علامہ اقبال کے فکر و فن کی تفہیم دو سطحوں پر ممکن ہے: ایک شاعری کے ذریعے اور دوسری ان کے خطبات کی روشنی میں۔ ان کی شاعری چونکہ اردو اور فارسی زبان میں ہے، لہٰذا عام فہم قارئین کے لیے نسبتاً آسان ہے؛ تاہم ان کے خطبات — جو انگریزی زبان میں ہیں — کو سمجھنا ایک علمی مشق کا تقاضا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی خطبات کا ترجمہ کیا گیا اور پھر مختلف شارحین نے اس کی تفہیم کو آسان بنانے کے لیے تشریحات کا سہارا لیا۔ ان کوششوں کا آغاز خلیفہ عبدالحکیم نے کیا اور پھر یہ روایت آگے بڑھتی چلی گئی۔

مصنف کے مطابق خطبات کا پہلا ترجمہ سید نذیر نیازی نے کیا، جو اقبالیاتی تحقیق میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر خرم یٰسین خود بھی اسی موضوع پر پی ایچ ڈی مکمل کر چکے ہیں، اس لیے ان کی بصیرت اور تنقیدی گہرائی اس مقالے میں بخوبی جھلکتی ہے۔ مقالے میں وہ مختلف

شارحین کے خیالات کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں اور ان کے بیانات کی روشنی میں اقبال کی اصل فکر تک رسائی کی کوشش کرتے ہیں۔ مصنف نے خطبے کی تشریحات کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے ایک شارح کا اقتباس پیش کیا ہے، جو مضمون کے فکری خلاصے کو واضح کرتا ہے:

> "اقبال کی نظر میں انسان اور خدا میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ ایک ظاہر ہے اور دوسرا باطن۔ خدا کی تلاش انسان کی تلاش ہے اور انسان کی تلاش خدا کی تلاش کے ہم معنٰی ہے۔"(4)

یہ اقتباس اقبال کے فلسفۂ وحدت الوجود اور انسان کی فطری خدا طلبی کو انتہائی سادہ مگر گہرے اسلوب میں پیش کرتا ہے۔ مقالے میں جہاں مصنف نے بہتر شروح کی نشاندہی کی ہے، وہیں کمزور تفسیری کوششوں پر بھی تنقیدی نوٹ شامل کیے ہیں۔ اس عمل سے نہ صرف اقبال کے متن کی معنوی پرتیں کھلتی ہیں بلکہ شرح نگاری کے معیار پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ یہ مضمون اس لحاظ سے خصوصی اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں اقبال کے خطبات کی تفہیم کے داخلی و خارجی مسائل کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ یوں نورِ تحقیق کے اس اشاعت نے اقبال فہمی کے ایک مشکل گوشے کو علمی سلیقے سے عام قارئین اور محققین کے لیے قابلِ فہم بنا دیا ہے۔

اکبر اور اقبال کا فلسفۂ آزادی

گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد کے پی ایچ ڈی اسکالر محمد لقمان کا تحقیقی مقالہ "اکبر اور اقبال کا فلسفۂ آزادی" پندرہ صفحات اور چودہ حوالہ جات پر مشتمل ہے، جو برصغیر کے دو اہم شعرا ـــ اکبر الٰہ آبادی اور علامہ اقبال ـــ کے فکری اشتراکات کا تنقیدی جائزہ پیش کرتا ہے۔ مضمون کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ دونوں شعرا نے سامراجی تسلط کے خلاف اپنے فن کو بطور مزاحمتی ہتھیار استعمال کیا اور اصلاحِ ملت کو اپنی شاعری کا مرکز و محور بنایا۔ انیسویں صدی کے آخری نصف اور بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیاں برصغیر میں سیاسی و تہذیبی کشمکش کا دور تھیں۔ اس عرصے میں مغربی تہذیب کی یلغار، انگریزی تعلیم کی ترویج، اور سامراجی قبضے نے مسلم معاشرے کو فکری انتشار میں مبتلا کر دیا۔ اکبر اور اقبال نے اس بحران کو محسوس کیا اور اپنی شعری تخلیقات کے ذریعے مسلمانوں کو بیدار کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

مقالے میں مصنف نے دونوں شعرا کے مزاج، اسلوب، اور فکری تقاضوں کا تقابلی جائزہ لیا ہے۔ اقبال سنجیدہ، متفکر اور فلسفیانہ مزاج کے حامل شاعر ہیں، جب کہ اکبر طنز و مزاح کے ذریعے اصلاح کا کام کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی اسی فکری ہم آہنگی کو بیان کرتے ہوئے مضمون نگار لکھتے ہیں:

> "اکبر الٰہ آبادی اور علامہ اقبال برصغیر پاک و ہند کے نامور فلسفی، مفکر اور شاعر ہیں۔ دونوں نے کم و بیش ایک جیسا عہد پایا۔ انھوں نے غلامی اور غفلت کی نیند میں سوئی ہوئی قوم کو آزادی اور بیداری کی حقیقی روح سے روشناس کیا اور اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانانِ برصغیر کو سامراج کی محکومی سے نجات دلائی۔ بالخصوص اکبر نے ایک ماہر جراح کی طرح طنزیہ و مزاحیہ انداز اپناتے ہوئے فکرِ آزادی کے نشتر سے قوم کے محکومی پر مبنی متعفن ناسوروں کا علاج کیا تو اقبال نے ایک سنجیدہ طبیب کی صورت حبوبِ بیداری سے قوم کی محکومی و لاچاری کا مداوا کیا۔ دونوں شعرا نے فلسفیانہ شاعری کے توسط سے محکوم قوم کو آزادی کا مژدہ سنایا لیکن ان کا انداز جدا جدا تھا۔"(5)

اس کے باوجود یہ کہنا بجا ہو گا کہ مضمون موضوعی مطالعے میں معاون ہے۔ مضمون نگار نے جس انداز سے اکبر و اقبال کے افکار و

نظریات کو ایک فکری ربط میں جوڑا ہے، وہ قابلِ توجہ ہے۔ اگر اشعار کے مستند حوالہ جات درج کیے جاتے، اور فکری مماثلتوں کو استنادی بنیادوں پر پیش کیا جاتا، تو یہ مقالہ تحقیقی استناد کے اعلیٰ معیار پر پورا اُترتا۔ اس کے باوجود، نورِ تحقیق میں اس کی شمولیت، برصغیر کی آزادی کی شعری روایت کو ایک نئے تناظر میں پیش کرتی ہے۔

اقبال اور تحریکِ آزادی

ڈاکٹر رابعہ سرفراز کا مقالہ "اقبال اور تحریکِ آزادی "سات صفحات اور پندرہ حوالہ جات پر مشتمل ایک فکر انگیز تحقیقی کاوش ہے، جو برصغیر میں اقبال کے سیاسی، مذہبی اور فکری کردار کو اجاگر کرتا ہے۔ مضمون میں مصنفہ نے اس اہم پہلو پر روشنی ڈالی ہے کہ اقبال کی شاعری محض فن پارہ نہیں بلکہ مسلمانوں کے شعور کو بیدار کرنے کا ایک فکری ہتھیار تھی، جس نے تحریکِ آزادی کو نظریاتی اور روحانی بنیادیں فراہم کیں۔ مقالے میں یہ نقطہ واضح کیا گیا ہے کہ اقبال برصغیر کے پہلے مفکر تھے جنھوں نے مذہب اور سیاست کی علیحدگی کو نہ صرف مسترد کیا بلکہ اس نظریے کے اخلاقی و سیاسی نقصانات کو بھی بے نقاب کیا۔ ان کے بقول یہ دوئی انسان کے قومی کردار کو مجروح کرتی ہے۔ مضمون میں اقبال کی تحریکِ آزادی سے متعلق خدمات کو تین مراحل میں تقسیم کیا گیا ہے:

1. پہلے مرحلے میں مسلمانوں کو ان کی جداگانہ شناخت سے آگاہی
2. دوسرے میں دو قومی نظریے کی وضاحت
3. اور تیسرے مرحلے میں خطبۂ الہ آباد کے ذریعے ایک علیحدہ اسلامی ریاست کی نظریاتی و سیاسی راہ ہموار کرنا۔

اس ضمن میں مضمون نگار رقم طراز ہیں:

”اقبال کی شاعری اور نثر میں تحریک آزادی اور قیام پاکستان کی مکمل تاریخ زندہ ہے۔ جس میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا خواب اور پھر اس خواب کے حصول کے لیے جدوجہد کی داستان اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نظر آتی ہے۔ برصغیر کی تاریخ میں خطبہ الہ آباد کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے اس خطبے میں اس حقیقت کی وضاحت کی ہے کہ مسلمان قوم ایک الگ اور جداگانہ تشخص رکھتی ہے۔ وہ اہل مغرب کے اس نظریے سے ہرگز متفق نہیں ہیں کہ مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے بلکہ ان کا مؤقف تھا کہ اگر مسلمانوں کو ان کی روایات اور ثقافت کے مطابق ہندوستان میں مکمل اور آزادانہ ترقی کا حق حاصل ہو جائے تو وہ ہندوستان کی آزادی کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔“(6)

مضمون میں اقبال کی ابتدائی شاعری کے اس رجحان پر بھی بات کی گئی ہے، جس میں وہ متحدہ ہندوستان کے حق میں نظر آتے ہیں۔ تاہم مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے امتیازی سلوک اور تہذیبی جبر نے ان کی فکر کو نئی سمت دی، جس کا اظہار بعد ازاں ان کی سیاسی وابستگی اور تحریکِ پاکستان کی حمایت میں ہوتا ہے۔ اس ضمن میں اقبال کی شاعری کو سیاسی بصیرت اور اجتہادی شعور کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ مضمون میں درج اقتباس اس فکری ترتیب کا نچوڑ ہے:

”اقبال کی بہتری شاعری میں سیاسی مسائل، ان سے پیدا ہونے والا سیاسی انتشار اور ان کے حل کی تجاویز نہایت سنجیدگی

سے پیش کی گئی ہے۔ ان کے ضابطۂ حیات میں زندگی، سیاست اور مذہب کو الگ خانوں میں تقسیم کرنا ممکن نہیں۔"(7)

اقبال کی شاعری کے انتیس اشعار حوالہ جات کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں، جو مضمون کو تحقیقی وقعت بخشتے ہیں۔ ڈاکٹر رابعہ سرفراز کی تحریر، اگرچہ مختصر ہے، لیکن اقبال کی سیاسی جدوجہد، نظریاتی پختگی، اور فکری خدمات کو نہایت جامع انداز میں پیش کرتی ہے۔ یہ مقالہ نورِ تحقیق کے اقبالیاتی ذخیرے میں ایک باوقار اضافہ ہے۔

اقبال اور تحریکِ خلافت

ڈاکٹر خالد مبین کا تحقیقی مضمون "اقبال اور تحریکِ خلافت "دس صفحات اور چوالیس حوالہ جات پر مشتمل ایک تحقیقی و فکری تحریر ہے جس میں برصغیر کی تحریکات میں سے ایک اہم تحریک—تحریکِ خلافت—اور اس پر اقبال کے ردعمل کا سنجیدہ تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ مضمون میں تحریکِ خلافت کے تاریخی پس منظر، اس کے قائدین، اثرات اور اقبال کے نظریات کو یکجا کر کے فکری ہم آہنگی یا تضاد کو اجاگر کیا گیا ہے۔ تحریکِ خلافت، برصغیر میں ترکی خلافت کے تحفظ اور امتِ مسلمہ کی مرکزیت کی بحالی کی جدوجہد تھی، جس میں علی برادران، مولانا محمد علی جوہر، حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خان، اور دیگر جید علمائے دین پیش پیش تھے۔ مضمون کے آغاز میں مصنف تحریک کے آغاز کو یوں بیان کرتے ہیں:

> "ترکوں کی خودمختاری اور خلافت کے منصب کے تحفظ کے لیے مسلمانان برصغیر کے بیسویں صدی کے آغاز میں پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد ایک تحریک کا آغاز کیا جسے عرف عام میں تحریک خلافت کہا گیا۔ اس تحریک کے قائدین میں علی برادران تھے۔ خلافت کے منصب پر 1517 میں ترکیہ کے سلطان سلیم فائز ہوئے۔ مغلوں کے دور زوال میں ترک سلطان مسلمانوں کے روحانی پیشوا تھے۔ پہلے ترک انگریزوں کی طرف مائل تھے اور انھوں نے ٹیپو سلطان کی شکست اور غدر کے واقعات میں انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔"(8)

مقالے میں تحریک کے اثرات کو نمایاں کرتے ہوئے مسلمانوں کی سیاسی بیداری، مذہبی اتحاد، سادگی، قربانی، اور مزاحمتی شعور کی نشاندہی کی گئی ہے۔ خاص طور پر گاندھی کے اس تحریک کو ختم کرنے کے فیصلے کے بعد جو سیاسی خلا پیدا ہوا، اس پر بھی مضمون نگار نے بصیرت سے روشنی ڈالی ہے۔ اقبال کا ردعمل، جیسا کہ مضمون میں درج ہے، اس تحریک کے اس رخ سے متعلق تھا جس میں مسلمانوں کو ہندو قیادت کی پیروی میں لا کھڑا کیا گیا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا اقتباس درج ہے:

> "ڈاکٹر فرمان فتح پوری کہتے ہیں کہ اقبال کے لفظوں میں تحریک خلافت کیا تھی؟ اہل مغرب سے خلافت کی بھیک مانگی جا رہی تھی۔ ان کے نزدیک ایسی خلافت جو مسلمانوں کے زور بازو کا نتیجہ نہ ہو بے معنیٰ و مہمل تھی۔ اقبال خلافت کو ایک مذہبی مسئلہ سمجھتے تھے۔ وہ اس مسئلے کو جس قدر اہمیت دیتے تھے اس کا اندازہ اس مضمون سے ہوتا ہے جو انھوں نے 'اسلام میں سیاست' کے موضوع پر لکھا1906 میں انگریزی زبان میں لکھا۔ اقبال کے نزدیک خلافت ہی سیاسی نظام کی وہ اکمل صورت ہے جو دنیا کے لیے رحمت تھی۔ چنانچہ نظم 'طلوع اسلام' بھی ان کے انھی جذبات کی آئینہ دار ہے۔(9)

اقبال کی نگاہ میں خلافت صرف خلافتِ عثمانیہ یا ترکی کا معاملہ نہ تھا بلکہ ایک اصولی، روحانی اور سیاسی نظریہ تھا۔ وہ ایسی خلافت کے

خواہاں تھے جو اسلامی بنیادوں پر استوار ہو، نہ کہ مغربی سامراج یا کسی دوسری تہذیب کی خیرات ہو۔ مضمون میں ان کے کئی اشعار، خصوصاً ارمغانِ حجاز اور پیامِ مشرق سے ماخوذ، حوالہ جات کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں، جو اس دعوے کی تائید کرتے ہیں۔ڈاکٹر خالد مبین کی تحریر اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس میں تحریک خلافت کی تاریخی اور فکری تفہیم کو علامہ اقبال کے تصورِ خلافت سے منسلک کرتے ہوئے ایک مدلل بیانیہ قائم کیا گیا ہے۔ یہ مقالہ نورِ تحقیق کی اس روایت کو تقویت دیتا ہے جس کے تحت اقبال کی فکر کو تاریخ، مذہب اور سیاست کے باہم ربط کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

فکرِ اقبال اور عصرِ حاضر

ڈاکٹر ثمینہ ندیم، ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اُردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ اسلامیہ کالج فار وومین، کوپر روڈ لاہور، نے اپنے تحقیقی مقالے "فکرِ اقبال اور عصرِ حاضر "میں اس اہم موضوع کو موضوعِ بحث بنایا ہے کہ اقبال کی فکر اور شاعری محض گزشتہ صدی کے تناظر تک محدود نہیں، بلکہ عصرِ حاضر کے فکری و سماجی بحرانوں کا بھی ایک ممکنہ حل پیش کرتی ہے۔ آٹھ صفحات اور چھبیس حوالہ جات پر مشتمل یہ مقالہ اقبال کی ہمہ گیر بصیرت اور فکری تسلسل کا آئینہ دار ہے۔مصنفہ نے عہدِ حاضر میں مسلمانوں کو درپیش مسائل —جیسے مادہ پرستی، دہشت گردی، نسلی و مذہبی تعصب، قومی زوال، اور اخلاقی تنزلی — کے تناظر میں اقبال کے افکار کو ایک فکری سرچشمہ قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک آج کا مسلمان جس فکری و تہذیبی انحطاط کا شکار ہے، اس سے نجات کی راہ اقبال کی تعلیمات اور شعری بصیرت میں تلاش کی جاسکتی ہے۔

مضمون کا آغاز اقبال کی مشہور نظم "شمع و شاعر "کے اشعار سے ہوتا ہے، جو عصرِ حاضر کی شکستہ حالت پر گہرا تبصرہ پیش کرتی ہے۔اس کے بعد نظم "طلوعِ اسلام"، "خضرِ راہ"، "نصیحت "اور "ایجادِ معانی "کے اشعار کے ذریعے قاری کو اقبال کی فکری رہنمائی کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ان تمام اشعار کے مستند حوالہ جات درج کیے گئے ہیں، جو مضمون کی تحقیقی قدر و قیمت میں اضافہ کرتے ہیں۔اقبال کے شعری بیانیے کو عصرِ حاضر کے فکری زوال سے جوڑتے ہوئے مضمون نگار رقم طراز ہیں:

> ”اکیسویں صدی میں بھی مقام رنگ و بو کی تسخیر عشق اور لگن کے بغیر ممکن نہیں اور فکر اقبال کے زاویے کسی نہ کسی طور عشق، لگن، جستجو اور جذب و مستی سے جڑے ہیں۔ عصرِ حاضر میں یہ تمام محرکات انسانی فطرت میں بہت کم اپنی سچائی اور توانائی کے ساتھ موجود ہیں، جب کہ اقبال انسانی نظر کی باطنی روشنی اور نگاہِ شوق کی بلندی کے خواہاں رہے۔“(10)

یہ اقتباس اقبال کے فکری نظام کو ایک زندہ اور متحرک نظریہ حیات کے طور پر پیش کرتا ہے، جس میں عشق و خرد، خودی و جستجو، اور عقل و وجدان کا امتزاج موجود ہے۔ مضمون نگار نے زور دیا ہے کہ اقبال کی فکر کا مقصد صرف قومی بیداری نہیں، بلکہ ایک ایسا روحانی و اخلاقی نظام ہے جو انسان کو اس کی اصل فطرت سے ہم آہنگ کر دے۔ مقالے کی سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ یہ اقبال کے صرف نظریاتی پہلو کو نہیں بلکہ ان کی شعری جمالیات کو بھی عصرِ حاضر کی فکری فضا سے جوڑتا ہے۔ مضمون نگار نے بالخصوص نوجوان نسل کو یہ پیغام دیا ہے کہ وہ اقبال کے فکری سرچشمے سے استفادہ کرے اور اپنے تشخص، ذمے داری، اور مقصدِ حیات کو از سرِ نو دریافت کرے۔ یہ مقالہ نہ صرف فکرِ اقبال کی ہمہ گیری کو اجاگر کرتا ہے بلکہ نورِ تحقیق کی اس روایت کو بھی مستحکم کرتا ہے جس کے تحت اقبال کی فکر کو ہر دور کے لیے رہنما اصول کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔

نورِ تحقیق: علمی و تنقیدی خدمات کی افادیت

مجلہ نورِ تحقیق میں اقبالیاتی تناظر میں شائع ہونے والے مضامین، محض ادبی یا فکری بیانات نہیں بلکہ وہ تحقیقی اور تنقیدی جہتیں ہیں جو اردو تحقیق کو ایک نیا زاویہ فراہم کرتی ہیں۔ ان تحریروں میں نہ صرف علامہ اقبال کی فکر، شاعری، خطبات، اور سیاسی کردار کا احاطہ کیا گیا ہے بلکہ ان کے افکار کو عصری سیاق میں سمجھنے کی سنجیدہ کوشش بھی کی گئی ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ مجلہ کسی رسمی یا روایتی تحقیقی تناظر سے آگے بڑھ کر ایک فکری تحریک کے طور پر ابھرا ہے، جو قاری کو غور و فکر پر مجبور کرتا ہے۔

مجلے میں شامل مضامین کی سب سے بڑی افادیت یہ ہے کہ انہوں نے اقبال کے مختلف پہلوؤں کو الگ الگ لیکن مربوط انداز میں زیرِ بحث لایا ہے۔ مثلاً ڈاکٹر گلشن طارق نے جہاں جمہوریت کے تصور پر اقبال کے خیالات کو اسلامی تناظر میں پرکھا، وہیں قیصر آفتاب احمد اور عائشہ بیگم نے اقبال کی سیاسی زندگی کو برصغیر کے تاریخی پس منظر میں رکھ کر پیش کیا۔ اسی طرح شازیہ پروین نے قائداعظم اور اقبال کی فکری ہم آہنگی کو اجاگر کیا، جب کہ ڈاکٹر خرم یاسین نے اقبال کے خطبہ اول پر مختلف شروح کا تنقیدی مطالعہ کر کے اس کی تفہیم میں وسعت پیدا کی۔ مجلے کی اہم ترین علمی خدمات میں یہ پہلو خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ ان تحریروں نے اقبال کو محض ایک کلاسیکی شاعر یا ماضی کے فلسفی کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ انہیں ایک ہم عصر فکری رہنما کی حیثیت دی، جن کے افکار آج کے نوجوان، اسکالرز، اور معاشرتی رہنماؤں کے لیے ایک اخلاقی اور فکری سرمایہ ہیں۔ یہ مضامین اقبال کے فکری تسلسل کو ماضی سے حال اور حال سے مستقبل کی طرف منتقل کرنے کا علمی و فکری ذریعہ بنے ہیں۔

تنقیدی سطح پر دیکھا جائے تو ان مضامین میں تحقیق و استدلال کا توازن، حوالہ جات کی کثرت، اور موضوعات کا تنوع اقبالیاتی تحقیق کو نئی وسعت عطا کرتا ہے۔ کئی مقالات میں اگرچہ تحقیقی کمزوریاں اور حوالہ جاتی سقم نظر آتے ہیں، جیسے اشعار کے ماخذ کا ذکر نہ ہونا یا موضوع کی سطحی تفہیم، تاہم عمومی رجحان مثبت اور ارتقائی دکھائی دیتا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ نورِ تحقیق اقبالیاتی شعور کو علمی بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے ایک سنجیدہ تحقیقی فورم ہے۔ یہ بھی قابلِ تحسین ہے کہ مجلہ، محض سینئر محققین کی تحریروں پر انحصار نہیں کرتا بلکہ نوجوان اسکالرز کو بھی تحقیق کے میدان میں جگہ دیتا ہے، جس سے علمی تسلسل اور فکری تربیت کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نورِ تحقیق کی اقبالیاتی اشاعتیں جامعات کے طلبہ، اساتذہ، اور محققین کے لیے ایک قابلِ اعتماد ماخذ کے طور پر ابھر رہی ہیں۔

مختصراً، ان مضامین کی افادیت صرف اس میں نہیں کہ انہوں نے اقبال پر "کچھ نیا" کہا، بلکہ اس میں ہے کہ انہوں نے "پہلے سے کہی گئی باتوں" کو نئے زاویوں سے دیکھا، پرکھا، اور عصرِ حاضر کے تناظر میں ان کی معنویت کو اجاگر کیا۔ یہ مجلہ اس فکری روایت کو زندہ رکھے ہوئے ہے جو اقبال کے پیغام کو محض ماضی کی داستان نہیں بلکہ مستقبل کی حکمت سمجھتی ہے۔

موجودہ خلا اور تحقیق کے نئے امکانات

اگرچہ مجلہ نورِ تحقیق میں اقبال شناسی کے مختلف پہلوؤں کو قابلِ قدر انداز میں اجاگر کیا گیا ہے، تاہم چند اہم علمی و تحقیقی خلا اب بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ بیشتر مضامین اقبال کی فکر، سیاست، اور شاعری پر عمومی نوعیت کے تجزیات پر مشتمل ہیں، جن میں تنقیدی گہرائی، نظریاتی جہات، اور جدید فکری مکاتبِ فکر کی روشنی میں تحلیل کی کمی نظر آتی ہے۔

مثلاً، اکثر مقالات میں شعری حوالہ جات کے ماخذ درج نہ ہونا، بین المتون مطالعے کی کمی، اور نئے تنقیدی نظریات (جیسے مابعد

جدیدیت، ماحولیاتی تنقید، فیمینسٹ تناظر) کے فقدان کو واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اقبال کی فکر کے بین الاقوامی اثرات، مغربی مفکرین سے تقابلی مطالعہ، اور عصرِ جدید کی ٹیکنالوجی، میڈیا اور سوشل نظم میں اقبال کے پیغام کی معنویت جیسے اہم موضوعات ابھی تحقیق طلب ہیں۔ آئندہ تحقیق میں درج ذیل امکانات پر توجہ دی جا سکتی ہے:

- اقبال کا تصورِ ماحولیاتی اخلاقیات
- مصنوعی ذہانت اور اقبال کا انسان شناسی تصور
- اقبال اور عالمگیریت (globalization) کا تنقیدی جائزہ
- برصغیر کے غیر مسلم شعرا کے ساتھ اقبال کا فکری مکالمہ
- اقبالیات اور اردو نصاب میں اقبال کی تدریسی تشکیل

ان پہلوؤں پر سنجیدہ، نظریاتی اور بین اللسانی تحقیق نہ صرف اقبال شناسی کو نئی جہات عطا کرے گی بلکہ نورِ تحقیق کو ایک عالمی فکری فورم کی حیثیت بھی بخش سکتی ہے۔

ماحصل

علامہ اقبال کی فکر اردو ادب، اسلامی فلسفے اور برصغیر کی سیاسی تاریخ کا وہ درخشاں باب ہے جس کی معنویت وقت کے ساتھ کم ہونے کے بجائے مزید نکھرتی جا رہی ہے۔ ان کی شاعری اور نثر نہ صرف ان کے اپنے عہد کے مسائل کا شعور فراہم کرتی ہے بلکہ عصرِ حاضر کے فکری، اخلاقی، سماجی اور سیاسی بحرانوں کے لیے بھی راہ نمائی کا سامان رکھتی ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں مجلہ نورِ تحقیق میں اقبال شناسی کے حوالے سے شائع ہونے والے منتخب تحقیقی مضامین کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ کیا گیا، جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی کہ یہ مجلہ اقبالیاتی تحقیق کے فروغ میں سنجیدہ اور مؤثر کردار ادا کر رہا ہے۔ مجلے کے ذریعے اقبال کے فکر و فن کو روایتی و غیر روایتی، عمومی و تخصصی، اور فکری و تنقیدی زاویوں سے نہ صرف پیش کیا گیا ہے بلکہ نئی نسل کے محققین کو اقبال شناسی کے وسیع امکانات سے روشناس بھی کرایا گیا ہے۔ اگرچہ چند علمی کمزوریاں، حوالہ جاتی خلا، یا تنقیدی گہرائی کی کمی بعض مقالات میں محسوس کی گئی، لیکن مجموعی طور پر مجلہ نورِ تحقیق کا اقبالیاتی میدان میں کردار قابلِ اعتراف اور لائقِ تقلید ہے۔ اس کی یہ کاوشیں نہ صرف اردو ادب کے تحقیقی سرمایے میں اضافہ کرتی ہیں بلکہ فکری تسلسل کو بھی برقرار رکھتی ہیں۔

یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر اقبال شناسی کو اسی سنجیدہ اور علمی انداز سے آگے بڑھایا جاتا رہا تو یہ نہ صرف قومی فکری سمت کا تعین کرے گا بلکہ عالمی سطح پر اقبال کے پیغامِ انسانیت، خودی اور عشق کو ایک زندہ، بامقصد اور مؤثر نظریہ حیات کے طور پر متعارف کروانے میں مددگار ثابت ہو گا۔

سفارشات

- اقبال فہمی کے مختلف پہلوؤں پر یکجا مطالعہ: مستقبل کے محققین کو چاہیے کہ وہ اقبال کے فکری، ادبی، فلسفیانہ اور سماجی پہلوؤں کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کرنے کے بجائے مربوط انداز میں دیکھیں تاکہ اقبال کے افکار کی جامع تصویر سامنے آسکے۔
- تنقیدی و تقابلی مطالعہ کو فروغ دینا: صرف اقبال کی تشریحات پر اکتفانہ کیا جائے بلکہ ان کے افکار کو معاصر اسلامی مفکرین اور فلسفیوں کے ساتھ تقابلی تناظر میں بھی پرکھا جائے تاکہ اقبال کی فکری انفرادیت واضح ہو۔
- متنی وماخذی حوالہ جات میں گہرائی: تحقیقی مضامین میں حوالہ جات اور متنی شواہد کو مزید مضبوط بنانے کی ضرورت ہے، تاکہ علمی استدلال زیادہ معتبر اور قابلِ اعتماد ہو۔
- معاصر مسائل سے ربط پیدا کرنا: اقبال کے افکار کو موجودہ سیاسی، سماجی اور فکری چیلنجز کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی جائے تاکہ اقبال اسٹڈیز صرف ماضی تک محدود نہ رہے بلکہ موجودہ دور کی رہنمائی بھی فراہم کرے۔
- بین اللسانی و بین الاقوامی زاویہ شامل کرنا: محققین کو چاہیے کہ وہ اقبال کے افکار کو اردو اور فارسی کے دائرے سے نکال کر انگریزی اور دیگر عالمی تناظر میں بھی پرکھیں تاکہ بین الاقوامی سطح پر اقبال فہمی کا دائرہ مزید وسیع ہو۔

حوالہ جات

1۔ گلشن طارق، ڈاکٹر، اقبال اور تصور جمہوریت، نور تحقیق، شمارہ4، جلد1، اکتوبر تا دسمبر2017، ص55

2۔ قیصر آفتاب احمد، اور عائشہ بیگم، اقبال کی سیاسی زندگی، نور تحقیق، شمارہ4، جلد1، اکتوبر تا دسمبر2017، ص234

3۔ شازیہ پروین، تحریک پاکستان سے قیام پاکستان تک کا سفر، نور تحقیق، شمارہ4، جلد1، اکتوبر تا دسمبر2017، ص273

4۔ خرم یاسین، ڈاکٹر، اور عبدالعزیز ملک، اقبال کا خطبۂ اول 'علم اور مذہبی تجربہ' شروح کے آئینے میں، نور تحقیق، شمارہ4، جلد1، اکتوبر تا دسمبر2017، ص335

5۔ محمد لقمان، اکبر اور اقبال کا فلسفۂ آزادی، نور تحقیق، شمارہ4، جلد1، اکتوبر تا دسمبر2017، ص196–197

6۔ رابعہ سرفراز ڈاکٹر، اقبال اور تحریک آزادی، نور تحقیق، شمارہ7، جلد2، جولائی تا ستمبر2018، ص111

7۔ ایضاً، ص115

8۔ خالد مبین ڈاکٹر، اقبال اور تحریک خلافت، نور تحقیق، شمارہ17، جلد5، جنوری تا مارچ2021، ص31

9۔ ایضاً، ص32–33

10۔ ثمینہ ندیم، ڈاکٹر، فکر اقبال اور عصر حاضر، نور تحقیق، شمارہ4، جلد1، اکتوبر تا دسمبر2017، ص457